سلسلہ تقاریر الٓمّٓصٓ

سورۂ اعراف

ڈاکٹر اسرار احمد

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓصٓ ○
كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ
ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا
بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ○ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔

قرآن حکیم کی دوسری سورہ جو ۴ حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہے، سورۂ اعراف ہے۔ اس سورۃ کا آغاز "الٓمّٓصٓ" کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ان حروف مقطعات کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ ہے کہ یہ قائم مقام ہیں ایک مکمل جملے کے اور وہ جملہ ہے، "اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاُفَصِّلُ" یعنی "میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا بھی ہوں اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا بھی"۔ واللہ اعلم! یہ سورۂ مبارکہ قرآن حکیم کی سب سے بڑی مکی سورہ ہے۔ مصحف میں یہ سوا پارے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی آیات کی تعداد اگرچہ سورۃ الشعراء سے کم ہے، یعنی سورۃ اعراف کی آیات ۲۰۶ ہیں اور سورۂ شعراء کی آیات جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے ۲۲۷ ہیں، اور دونوں سورتیں مکی ہیں لیکن حجم کے اعتبار سے یہ سورہ سورۂ شعراء سے ڈھائی گنا سے بھی زیادہ بڑی ہے، اور اس کے کل ۲۴ رکوع ہیں۔

یہ سورہ اپنے مضامین کے اعتبار سے اپنے ماقبل کی سورہ یعنی سورہ انعام کے ساتھ مل کر ایک مکمل جوڑے کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور اس میں قرآن حکیم کی مکی سورتوں کے تمام مضامین اختصار کے ساتھ آگئے ہیں۔ گویا کہ سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کو مکی قرآن کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا

ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں اور سورۂ انعام میں مضامین کی تقسیم تقریباً وہی ہے جو ہم اس سے پہلے 'الٓر' کی سیریز کی دو سورتوں یعنی سورۂ یونس اور سورہ ہود میں دیکھ چکے ہیں۔ یعنی سورۂ انعام میں اکثر و بیشتر مضمون 'التذکیر بالاءِ اللہِ' اور 'التذکیر بآیات اللہ' ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حوالے سے اور مظاہر فطرت کے حوالے سے تلقین اور نصیحت اور ایمان باللہ کی دعوت۔ جبکہ سورۂ اعراف میں جو مرکزی مضمون ہے وہ ہے 'التذکیر بایام اللہ' یعنی تاریخ کے حوالے سے موعظت اور نصیحت اور اس دعوت کو قبول کرنے کی تلقین جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۂ انعام میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا، یا انکے ساتھ حضرت اسحاق اور یعقوب کا۔ جبکہ سورۂ اعراف میں جیسا کہ بعض دوسری سورتوں مثلاً سورۂ شعراء اور سورہ ھود میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام ان سب کا ذکر آیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں دیگر تمام رسُولوں کا ذکر تقریباً ایک ایک رکوع میں ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے احوال و واقعات تقریباً ۹ رکوعوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سورہ مُبارکہ کے آغاز اور اختتام پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ذکر ہے۔

سورۃ کا آغاز ان الفاظ مبارکہ سے ہوتا ہے۔

الٓمّٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کتاب آپؐ پر نازل فرمائی گئی لیکن اس لیے نہیں کہ اس سے آپؐ کے سینے میں تنگی ہو، آپؐ کو دقت کا سامنا ہو۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ الشعراء میں آچکا ہے۔ "فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ" اور جیسے سورہ طٰہٰ کے آغاز میں فرمایا گیا۔ "طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی" یعنی "ہم نے یہ قرآن آپؐ پر اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپؐ مشقت میں پڑ جائیں یا آپؐ ناکام و نامراد ہوں"، معاذ اللہ! اور اس سورۃ میں فرمایا۔

فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ...... یعنی اس کتاب کے نزول سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی کوئی تنگی نہیں پیدا ہونی چاہیئے بلکہ اس کا مقصد نزول تو یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے آپؐ لوگوں

کو خبردار کریں، اور اہل ایمان کے حق میں یہ نصیحت بنے۔ اختتام پر ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ

"میں تو پیروی کرتا ہوں، میں تو خود پابند ہوں اسکا جو وحی کیا جارہا ہے میری طرف، میرے رب کی طرف سے۔"

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

یعنی یہ تمہارے رب کی طرف سے سجھائی ہے تمہیں حقائق سے مطلع کرنے کے لیے۔ یہ بصائر ہیں جو نازل ہو رہے ہیں، اور ہدایت ہے، رحمت ہے ان لوگوں کے حق میں جو ایمان لائے ہیں۔ ساتھ ہی ایک بڑی پیاری ہدایت یہ دی گئی۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

"جب قرآن پڑھا جایا کرے تو پوری توجہ سے سنا کرو، کان لگا کر اس کو سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

ابتدائی رکوع میں ایک اور آیت نہایت اہم ہے اور فلسفۂ نبوت و رسالت کے اعتبار سے بڑی اساسی اہمیت کی حامل ہے فرمایا گیا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ

"ہم پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا، اور ہم پوچھیں گے رسولوں سے بھی۔" واقعہ یہ ہے کہ رسالت ایک بڑی نازک اور بڑی کٹھن ذمہ داری ہے۔ اللہ کا پیغام بندوں کو پہنچانا بہت نازک ذمہ داری ہے۔ آپ اس سادہ سی مثال کو اگر سامنے رکھیں کہ اگر ہم اپنے کسی عزیز کو کوئی پیغام کسی کے ذریعے سے بھیجیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ہو جانا چاہیئے ورنہ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اور وہ کام نہ ہوا ہو تو ہماری تشویش دو رُخ اختیار کرے گی۔ آیا اس عزیز کو وہ پیغام پہنچا ہی نہیں اگر ایسا ہے تو سارا قصور اس پیغام بر کا ہے جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ پیغام پہنچائے۔ اور ہمارا وہ عزیز بری ہو جائے گا، جس کی طرف ہم نے پیغام بھیجا تھا۔ لیکن اگر پیغام بر نے اپنا فرض ادا کر دیا تو اب پوری ذمہ داری اس شخص کی ہے کہ جسے پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ چنانچہ آخرت میں بھی جب اُمتوں کا محاسبہ ہوگا تو سب سے پہلے گواہوں کے کٹہرے میں رسُولوں کو لایا جائے گا۔ اور ان سے یہی سوال کیا جائے گا، کہ جو پیغام ہمارا تم تک پہنچا تھا، تم نے اس کو بلا کم و کاست اپنی قوم تک پہنچا دیا تھا یا نہیں؟ اور رسُول

ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ سرکاری گواہوں (PROSECUTION WITNESS) کی حیثیت سے گواہی دیں گے TESTIFY کریں گے کہ اے پروردگار! تیرا جو پیغام ہم تک پہنچا تھا ہم نے اپنی قوم کو بلاکم وکاست پہنچا دیا تھا چنانچہ اس کے بعد پھر اس اُمت کا محاسبہ شروع ہو گا جس کی طرف رسُول کو بھیجا گیا تھا۔

اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں تخلیقِ آدم اور قصۂ آدم وابلیس پھر بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں یہاں بڑے قابل توجہ الفاظ ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

"اے بنی نوع انسان ہم نے تمہیں تخلیق فرمایا پھر تمہاری تصویر کشی کی اور پھر ہم نے کہا فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے سامنے"! ان الفاظ میں ایک اشارہ ملتا ہے اس بات کی طرف کہ تخلیق میں ابتداءً ایک نوع کی تخلیق ہوئی اور پھر اس نوع کے ایک منتخب فرد کو چن کر اس میں روحِ ربانی پھونکی گئی جس کا ذکر سورہ ص اور سورۂ حجر کے ضمن میں آچکا ہے کہ "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ" اور جس کی جانب اشارہ سورہ سجدہ میں بھی آچکا ہے۔ اس منتخب فرد میں جب روح ربانی پھونکی گئی تب وہ حضرتِ آدم بنے 'علیہ الصلوٰۃ والسلام' اور اس لائق ہوئے کہ وہ مسجود ملائک قرار پائیں۔

آخری حصے میں ابتدائے آفرینش کا ایک دوسرا واقعہ بیان ہوا ہے جسے ہم عہد الست کے نام سے جانتے ہیں تمام نوع انسانی کے افراد کی ارواح کو جمع کیا گیا اور ان سے وہاں وہ قول وقرار لیا گیا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا کیا میں تمہارا مالک تمہارا رب، تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ اور تمام انسانوں کی ارواح نے اس وقت اقرار کیا۔ بَلٰى شَهِدْنَا۔ کیوں نہیں ہم اس پر گواہ ہیں کہ اے پروردگار! تو ہی ہمارا مالک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ

"مبادا تم قیامت میں یہ عذر پیش کرو کہ ہمیں تو یہ عہد یاد نہیں رہا تھا ہم تو غفلت میں تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

یا یہ تم بہانہ تراشو کہ درحقیقت یہ شرک کرنے والے ہمارے آباؤاجداد تھے۔ انہوں نے ریت ڈالی تھی ہم تو اُن کی پیروی کرنے والے تھے۔ گویا کہ اصل مجرم وہ ہیں ہم نہیں۔ اس کے خلاف برہان قاطع ہے یہ عہد جو تم میں سے ایک ایک نے اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ اور جس کی یاد دہانی قرآن مجید میں کرا دی گئی ہے۔

اس سورہ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات تفصیل سے آئے ہیں۔
خاص طور پر تفصیل سے بنی اسرائیل کے وہ حالات بیان ہوئے ہیں جو مصر سے نکلنے کے بعد پیش آئے۔
ان کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور پر حاضری اور وہاں آنجناب کو ان الواح کا عطا کیا جانا
جن میں توریت لکھی ہوئی تھی اسکا بھی ذکر ہے۔ اور پھر خاص طور پر نہایت تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ
مذکور ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں قوم فتنے میں مبتلا ہوگئی اور ایک کثیر تعداد میں
لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی۔ جب آنجناب لوٹے ہیں تو آپ نے قوم کے ان لوگوں کو جو
اس جرم میں ملوث ہوئے تھے شدید سزا دی۔ غالباً تاریخ انسانی کی یہ بہت بڑی PURGE ہے۔
جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت اپنی قوم کی کی ہے۔ کئی ہزار یہودی جو کہ اس جرم کے مرتکب
ہوئے تھے اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔ اور اس کے بعد پھر اجتماعی توبہ کے
لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ۷۰ سرکردہ افراد کو لے کر کوہ طور پر حاضر ہوئے۔ یہاں جو دُعا
آنجناب نے مانگی اسمیں یہ الفاظ بھی آئے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ

اے رب ہمارے لیے اس دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی رحمت اور اپنے اچھے سلوک اور
اجر و ثواب کو لکھ دے، عطا کر دے، ہم نے تیری طرف توبہ کی۔ اسکے جواب میں اللہ نے ارشاد فرمایا۔

قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

میرا عذاب تو اسی پر مسلط ہوگا جس کے بارے میں فیصلہ کروں گا، رہی میری رحمت تو وہ تو
ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ باقی اگر میری خصوصی رحمت کے طلبگار ہو تو

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ
وَالْإِنْجِيلِ ۝

"میں نے اپنی رحمت خصوصی لکھ دی ہے ان لوگوں کے لیے جو مجھ پر ایمان لائیں گے تقویٰ
کی روش اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میرے اُس رسُول نبی اُمی کی پیروی کریں گے، جن کا ذکر
انہیں اپنی کتاب یعنی توریت میں لکھا ہوا ملے گا" بڑے پیارے الفاظ ہیں۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ
أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

کہ جو لوگ میرے اُس نبی، اُس رسول اُمّی پر ایمان لائیں گے، ان کا احترام اور ادب اور تعظیم کریں گے، انکی نصرت وتائید کریں گے، انکے مشن کی تکمیل میں انکے دست وبازو بنیں گے، اور اس نور کا اتباع کریں گے جو ان کے ساتھ نازل ہوگا یعنی قرآن حکیم، تو حقیقت میں فلاح پانے والے لوگ تو وہی ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ایسے ہی لوگوں کے زمرے میں شمار ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

*****

بقیہ: ایک قرآنی آیت اور اسکا مفہوم

اور آخر میں متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر عالم، بیہقیٔ وقت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عالمانہ تفسیر مظہری کا متعلقہ مقام ملاحظہ فرمالیں۔ یہی اس حاصل مطالعہ کا آخری حصہ ہے، جس سے اُمید ہے کہ ہر نوع کی غلط فہمی اور بے احتیاطی ختم ہوجائے گی۔

من کسب سیئۃ، کسب کے معنی لغت میں نفع حاصل کرنے کے ہیں اور سیئۃ (گناہ) کے ساتھ اس کا تعلق بطور استہزا کے ہے کیونکہ گناہ تو سراسر نقصان کی شئے ہے نفع کی اس میں کونسی بات ہے؟ جیسے آیت فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ میں بشارت کا لفظ استہزا کے طور پر ہے واحاطت بہ خطیئتہ، مطلب یہ ہے کہ گناہ اس پر غالب ہوگئے، اور اس کے گردوپیش کو محیط ہوگئے اور وہ گھیرے ہوئے شخص کی طرح ہوگیا کہ کوئی جانب اس کی ایسی نہ رہی جو گناہوں سے خالی ہو۔

آیت کا یہ مضمون کفار ہی پر صادق ہے جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہے اُس پر صادق نہیں کیونکہ اُس کے ہر جانب اور ہر حصہ کو گناہ محیط نہیں ہوتا۔ بلکہ جس جگہ ایمان ہے (اور وہ دل ہے) وہ حصہ سالم ہے، اور اس بنا پر حضرت ابن عباس اور ضحاک اور ابوالعالیہ اور ربیع اور دیگر علماء رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے خطیۂ سے مراد وہ شرک ہے جس پر آدمی مر جاوے، اس معنی کے موافق معتزلہ اور خوارج نے جو اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت مرتکب کبیرہ پر صادق ہی نہیں فَاُولٰئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ یعنی ان کو دوزخ لازم ہے جیسے کہ وہ یہاں اسباب دوزخ کو لازم ہیں۔

(مظہری ص ۱۵۲-۱۵۱ ج ۱ اردو ترجمہ مولانا عبدالدائم الجلالی مطبوعہ دہلی ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء)